© rasailojaraid.com

تنقیدی مضامین میں مولانا کے قلم کی روانی دو چند سہ چند ہو جاتی ہے۔ ان کی تنقیدی تحریروں میں علم وادب اور تحقیق و تنقید کا خوبصورت امتزاج پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مضامین میں یہ وصف اور زیادہ ابھرا ہوا ہے۔ یہ کتاب ۳۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ کچھ اور کتابیں: ان کتابوں کے علاوہ بعض اور بھی کتابیں ہیں مثلاً تفہیم دین اور عائلی کمیشن کی رپورٹ۔ مگر یہ کتابیں دستیاب نہ ہو سکیں۔ مقالات اصلاحی تین ضخیم جلدوں میں ہے۔ جلد اول کا تعارف کرایا گیا مگر بقیہ دونوں جلدیں ہنوز منتظر اشاعت ہیں۔ بخاری اور موطا کے دروس، رسالہ "تدبر لاہور" میں قسط وار چھپ رہے ہیں انہیں بھی کتابی شکل میں آنا ہے۔ دعوت دین یا دعوت حق کے نام سے بھی ایک کتاب راقم کی نظر سے گزری ہے، جسے مولانا ابو اللیث اصلاحیؒ سابق امیر جماعت اسلامی ہند نے رسالہ ترجمان القرآن سے جمع کر کے، مکتبہ اسلامی دہلی سے اپنے پیش لفظ کے ساتھ شائع کرایا تھا۔ غالباً یہی کتاب بعد میں مصنف کی اصلاح اور ترتیب نو کے ساتھ "دعوت دین اور اس کا طریق کار" کے نام سے شائع ہونے لگی۔

پاکستان میں مولانا کی کتابیں جماعت اسلامی کا مکتبہ شائع کیا کرتا تھا۔ پھر انجمن خدام القرآن شائع کرنے لگی اور اب ان کی تمام کتابیں فاران فاؤنڈیشن (۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ لاہور۔ ۵۴۶۰۰) چھاپتا ہے۔ بعض کتابیں ہندوستان میں بھی چھپی ہیں۔ تفسیر تدبر قرآن، تاج کمپنی دہلی اور حقیقت توحید، حقیقت شرک، دعوت دین اور اس کا طریق کار اور تنقیدات کا ایک مضمون "جماعت اسلامی پر اعتراضات اور ان کا جواب" مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی چھاپتا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ "تزکیہ نفس" کو بھی مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی نے چھاپ دیا ہے۔ "حقیقت نماز" کا بڑا محقق نسخہ ادارہ علوم القرآن علی گڑھ نے بہت اہتمام سے شائع کیا ہے۔

۱۸۔ حرف آخر: تصانیف اصلاحی کا جو سرسری جائزہ سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے ان کتابوں کے علمی پایہ، فکری رفعت اور ان کے موضوع کی جامعیت و وسعت کا بڑی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان تمام تصانیف میں یکساں طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر خالص قرآنی فکر کا نور جگمگا رہا ہے۔ ان کا بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ احادیث رسولؐ سے بھی اخذ واستنباط کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کا یہ مشترک وصف ہے کہ جہاں ان کا انداز بیان استدلالی ہے وہیں انھیں براہ راست کتاب وسنت سے اخذ واستخراج کیا گیا ہے۔ زید وبکر کے قال وقیل کو بنیاد بنانے کے بجائے ہر مسئلہ کا حل اور ہر سوال کا جواب پہلے سرچشمۂ علم وہدایت قرآن مجید پھر اس سے پھوٹ کر نکلی ہوئی شاخ سنت رسولؐ سے طلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس سے اگر ایک طرف ان تصانیف کی علمی عظمت ووقار کا پتہ چلتا ہے تو دوسری جانب مولانا کے علمی تبحر، قرآنی بصیرت، فقہی ژرف نگاہی، اجتہادی صلاحیت اور سب سے بڑھ کر ان کی جداگانہ شناخت اور انفرادی شان وامتیاز کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

زبان وبیان کی پاکیزگی، سلاست وبرجستگی، الفاظ و محاورے کے بر محل استعمال، سادگی، بے تکلفی، تعبیر ودلکشی، کمالِ فصاحت، زورِ بلاغت اور استدلال کے اعتبار سے مولانا کی انشاء اردوئے معلی کا شاہکار اور لفظ ومعنی کی جگمگاتی کہکشاں ہے۔ خاص طور پر "تفسیر تدبر قرآن" میں تو مولانا نے اعلیٰ فصاحت وبلاغت کا دریا بہادیا ہے۔

حواشی

۱۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۸ء، دیباچہ، ۹/۷

۲۔ اس کے قیام کا پس منظر، تاریخ، اغراض ومقاصد، اصول وضوابط اور دیگر تفصیلات تدبر کے پہلے شمارہ کے اداریہ میں بہت تفصیل سے موجود ہیں۔

۳۔ تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۵ء، مقدمہ، ۱/۴۱

۴۔ عبدالجبار شاکر، ماہنامہ اشراق، لاہور، ۴/۱۰، ۱۹۲۲ء

۵۔ امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ۱۹۵۱ء، دیباچہ، ص ۷

۶۔ تدبر، مکاتیب اصلاحی نمبر، سلسلہ ۶۱، جولائی ۱۹۹۸ء، بنام محمود احمد لودھی، ص، ۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

”اسلامی قانون کی تدوین“: ایک تجزیاتی مطالعہ

عبدالعظیم اصلاحی

نومبر ۱۹۹۶ء میں اسلام آباد کے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے ایک سیمینار میں راقم کو شرکت کا موقع ملا۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ سیمینار سے فراغت کے بعد لاہور میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب (دامت برکاتہم) سے شرف ملاقات حاصل ہوگا۔ فرزندان اصلاح کی بزرگ اور نامور ترین ہستی ہونے کے علاوہ میرے دو مرحوم اساتذہ مولانا شبلی متکلم ندوی (۱) (جو خود مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بھی استاد و مربی رہ چکے تھے) اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی (۲) کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے مولانا سے بہت کچھ سننے اور معلوم کرنے کے لئے دل بیتاب تھا۔ انسٹی ٹیوٹ کے نیچے زیرزمین ایک بہت وسیع و عریض مکتبہ تھا جس میں مولانا اصلاحی کی اکثر تصنیفات موجود تھیں۔ میں نے اپنے ذوق کے مطابق مولانا کی کتاب ”اسلامی قانون کی تدوین“ وہاں سے خرید لی تاکہ مولانا سے ملاقات کی یادگار کے طور پر اس پر مولانا کے دست خاص سے ان کے دستخط ثبت کرالوں گا۔ مگر ’اے بسا آرزو کہ خاک شدہ‘ مولانا سے ملاقات ہوئی لیکن یہ ملاقات ادھوری اور یک طرفہ رہ گئی، کیونکہ مولانا کئی ماہ سے صاحب فراش اور نیم غشی کی حالت میں تھے جو دم آخر تک برقرار رہی۔ میں نے بڑی حسرت و عقیدت سے تدبر قرآن سمیت ڈیڑھ درجن سے زائد وقیع کتابوں اور بے شمار علمی مقالات سپرد قلم کرنے والے دست بابرکت کو اپنے ہاتھوں میں لیکر اس عظیم مفسر کو قرآنی آیت ”لکی لا یعلم من بعد علم شیئا“ (۳) کی مجسم تفسیر پیش کرتے دیر تک دیکھتا رہا۔ گو میں ”اسلامی قانون کی تدوین“ پر مولانا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یادگاری دستخط نہ لے سکا لیکن یہ کتاب برابر میری رفیق سفر رہی اور اب اصلاحی نمبر کے لئے میں اسی کتاب کا حاصل مطالعہ قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

بیسوی صدی میں جہاں مسلم ممالک کو سامراجی طاقتوں سے آزادی نصیب ہوئی وہیں انھیں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ سیاست و معیشت اور قانون حکومت کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ بر صغیر کی تو تقسیم ہی اس مطالبہ کی بنیاد پر ہوئی کہ ایک آزاد ملک میں اسلامی قوانین کے زیر سایہ وہاں کے مسلمان زندگی گزار سکیں۔ اس کے لئے ظاہر ہے اسلامی قانون کی تدوین جدید ضروری تھی لیکن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کو احساس تھا کہ اس راہ میں جو بھی قدم اٹھایا گیا وہ اصل مقصد سے دور کرنے والا ثابت ہوا کیونکہ اس کے لئے جو فکری و عملی تیاری کرنی تھی وہ نہیں کی گئی اور جو طریقہ کار اختیار کرنا تھا وہ اپنایا نہیں گیا۔ اس سلسلہ میں بحیثیت عالم دین مولانا کو اپنی ذمہ داری کا برابر احساس رہا، چنانچہ جب بھی مولانا کو کسی کالج، یونیورسٹی یا وکلا کی مجلس میں خطاب کرنے کا کوئی معمولی موقع بھی ملا تو آپ نے اسلامی قانون اور اس کی تدوین کے مسئلہ کو موضوع بحث بنایا تاکہ لوگوں کے ذہن صاف ہو سکیں اور اس باب میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے اور کام کرنے کا صحیح طریقہ سب کے سامنے آجائے۔ مولانا کی کتاب ''اسلامی قانون کی تدوین'' ان ہی خطبات کا کتابی مجموعہ ہے۔ (۴)

کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں وضعی یا انسانی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان بنیادی فرق کو واضح کرتے ہوئے دونوں قوانین کے ارتقاء کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور دونوں میں اس طرح موازنہ کیا ہے کہ اسلامی قانون کی برتری عیاں ہو جاتی ہے۔

دوسرے باب میں اسلامی قانون میں حرکت و ارتقاء کے مسئلہ سے بحث کی ہے۔ اس میں بنیادی طور پر اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی قانون کوئی جامد شئ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بڑی 'افراط و تفریط' پائی جاتی ہے۔ مولانا کے نزدیک اسلامی قانون کا مزاج دو متضاد پہلو جمع کئے ہوئے ہے۔ 'ثبات' اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

'فاعلانہ رجحان'۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"اسلامی قانون اگرچہ ہماری زندگی کے معاملات میں اثباتی حیثیت سے دخیل ہونے کی وجہ سے ہمارے ہر شعبۂ زندگی کی حد بندی کرتا ہے لیکن اس حد بندی کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ میں وہ ایک نہایت وسیع دائرہ ایسا بھی چھوڑتا ہے جس میں ہمیں وہ متعین آسمانی قوانین کا پابند بنانے کے بجائے آزادی دیتا ہے کہ ہم شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اپنی راہ خود معین کریں اور زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کے لئے خود قواعد و ضوابط بنائیں۔ (ص ۲۹)

مولانا کے نزدیک اسلامی قانون کی حرکت و حیویت اور توسیع و ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ اجتہاد ہے۔ چونکہ اجتہاد میں صواب و خطا دونوں کا امکان ہوتا ہے اس لئے مولانا نے واضح کر دیا ہے کہ کسی بھی اجتہاد کو کتاب و سنت کے نصوص کا درجہ نہیں حاصل ہو سکتا۔

"اجتہاد کی تمام قدر و قیمت در حقیقت اس چیز میں ہے کہ کتاب و سنت سے اس کا لگاؤ کس درجہ کا ہے۔ اگر قوی ہے تو اجتہاد قوی ہے اور اگر ضعیف ہے تو اجتہاد ضعیف ہے۔ اسی وجہ سے اہل علم کے لئے کسی اجتہاد کو بے چون وچرا مان لینا صحیح نہیں ہے بلکہ ہر صاحب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کے ساتھ اس کے تعلق کی جانچ کرے اور اس تعلق ہی کو کسی چیز کے رد یا قبول کی کسوٹی بنائے۔" (ص ۳۰۔ ۳۱)

تیسرے باب میں مولانا نے اسلامی قانون کے مآخذ کا اجمالی تذکرہ کیا ہے اور عام اصولیین سے قدرے اختلاف کرتے ہوئے اپنی اجتہادی رائے پیش کی ہے۔ عام طور پر علماءِ اصول نے اسلامی قانون کے چار مآخذ گنائے ہیں : قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ مولانا کے بقول :

"مسئلہ کی یہ تعبیر گرچہ غلط نہیں ہے لیکن اس تعبیر میں بعض ایسے خلا ہیں جن کے سبب سے موجودہ زمانہ کے ذہنوں کو اصل حقیقت سمجھنے میں بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الجھنیں پیش آتی ہیں۔"(ص ۳۵)

چنانچہ مولانا نے اسلامی قانون کے پانچ مآخذ قرار دیئے ہیں : قرآن، سنت، اجتہاد، معروف اور مصلحت۔ مولانا کے مطابق :

"اجماع اجتہاد ہی کی ایک قسم ہے البتہ انفرادی نہیں، اجتماعی اجتہاد یعنی وہ اجتہاد جس پر وقت کے مجتہدین متفق ہوگئے ہوں۔"ص ۳۵

مولانا کے نزدیک قیاس بھی اصل ماخذ قانون نہیں ہے بلکہ تیسرے ماخذ قانون اجتہاد کے مختلف طریقوں میں سے ایک ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ علماء نے بھی اجماع و قیاس کے دو لفظوں سے اجتہاد ہی کی تفسیر کی ہے۔

"حضرت معاذ بن جبلؓ والی مشہور حدیث میں بھی کتاب و سنت کے بعد تیسری چیز جس کا ماخذ قانون کی حیثیت سے ذکر آیا ہے وہ اجماع یا قیاس نہیں بلکہ اجتہاد ہی ہے۔"(ص ۳۶)

حدیث کے جوہری الفاظ ملاحظہ ہوں :

...... قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال اقضى بكتاب الله، قال فان لم تجد فى كتاب الله قال فبسنة رسول الله(ﷺ) قال فان لم تجد فى سنة رسول الله (ﷺ) ولا فى كتاب الله؟ قال اجتهد برائى ولا آلو......(۵)

(......رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جب کوئی مسئلہ در پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے۔ جواب دیا کہ میں کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ کرونگا۔ پوچھا اگر تمہیں کتاب اللہ میں کوئی چیز نہ ملے تو؟ جواب دیا تب اللہ کے رسولؐ کی سنت کے ذریعہ۔ آپ نے پوچھا اگر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت میں بھی (اس کے بارے میں کوئی رہنمائی) نہ ملے تو؟ جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے انتہائی کوشش کر کے فیصلہ کرونگا اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھونگا)

مولانا نے اجماع و قیاس کو اجتہاد کے دو پہلو قرار دیئے اور ان کی جگہ قرآن و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت کے بعد اجتہاد کو رکھنے کے ساتھ ساتھ معروف (رواج) اور مصلحت کو بھی مآخذ قانون قرار دیا ہے۔ ان دونوں مآخذ کا ایک مخصوص دائرہ میں معتبر ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ فقہاء نے بھی ان کا اعتبار کیا ہے مگر ان چاروں مآخذ کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کرتے جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں مآخذ اصلی نہیں بلکہ ضمنی ہیں۔ ماہرین اصول کی رایوں کا احترام کرتے ہوئے بھی مولانا "اسلامی قانون کے اصل ماخذوں کے ساتھ ان کا ذکر کرنا ضرری سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی اسلامی قانون کے مآخذوں کا پورا تصور ذہن میں آتا ہے۔" (ص ۳۷)

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث کے بعد عام اصولیین کے انداز پر اجماع اور قیاس کو اسلامی قانون کے مآخذ قرار دینے کے بجائے مولانا نے قرآن و سنت کے بعد اجتہاد کو اصل ماخذ قرار دیا ہے اور اجماع و قیاس کو اجتہاد ہی کے دو پہلو بتلایا ہے اور اس کے لئے حدیث معاذؓ سے استدلال کیا ہے۔ اجتہاد کے بعد معروف و مصلحت کو بھی ماخذ میں شمار کیا ہے۔ لیکن حدیث معاذ جیسا کہ اوپر گزری خود مولانا کے اضافوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں معروف و مصلحت کا ذکر نہیں ہے۔ مزید یہ کہ معروفات و مصالح کا اخذ و ترک یا ترجیح و اعتبار عمل اجتہاد کا متقاضی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معروف و مصلحت بھی اجتہاد ہی کے دائرہ کار میں آئیں گے۔ راقم کی ناچیز رائے میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے بعد اجتہاد ہی ماخذ ہے اور اجماع و قیاس، معروف و مصلحت، ضرورت و سد ذرائع وغیرہ اجتہاد کے مختلف مناہج و مظاہر ہیں۔

مولانا اصلاحی نے اسلامی قانون کے پانچ مآخذ ذکر کرنے کے بعد اسلامی قانون سازی کے طریقۂ کار کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ "اسلامی قانون کا پہلا ماخذ قرآن ہے۔ اس وجہ سے سب سے پہلے اس کی طرف رجوع کیا جائے، اگر کسی معاملہ میں قرآن خاموش ہو گا تو پھر سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اسی طرح اجتہاد سے کام اس صورت میں لیا جائے گا جب کتاب و سنت کے نصوص میں کوئی رہنمائی نہ ملے۔ علی هذا القیاس رواج اور مصلحت کا لحاظ بھی انہی صورتوں میں ہو گا جن میں کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسنت نے ہمیں رواج اور مصلحت پر عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ یہ نہیں کریں گے کہ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے کسی معاملہ میں حدیث کو اختیار کر لیں یا سنت کو پس پشت ڈال کر رواج یا مصلحت کو ماخذ قانون بنالیں۔" (ص ۳۷۔۳۸)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسائل کے حل کے سلسلہ میں اسی منہج کی طرف حدیث معاذؓ سے بھی رہنمائی ملتی ہے مگر افسوس کہ تقلید و تنگ نظری کی وجہ سے آج ہم نے مسائل کے حل کے سلسہ میں طریقہ کار کو بالکل الٹ دیا ہے۔ آج کوئی مسئلہ در پیش ہو تو سب سے پہلے اپنے مسلک کے علماء کے یہاں اس طرح کے کسی جزئیہ کی تلاش ہوتی ہے اگر کوئی چیز مل جائے تو زمان و مکان کی تبدیلیوں کی پروا کئے بنا اس کو اپنانے کی کوشش ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث کی طرف مراجعت تو عام طور پر پہلے سے قائم شدہ رایوں کی تائید و تاکید کے لئے ہوتی ہے۔

آگے پانچ ابواب بالترتیب : قرآن، سنت، اجتہاد، معروف اور مصلحت کے متعلق ہیں۔ بعض فقہاء نے احکام سے متعلق قرآنی آیات کو گن لیا ہے جن کی تعداد کم و بیش پانچ سو ہے۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون کے سلسلہ میں ان آیات سے واقفیت کافی ہے۔ مولانا اس خیال کی غلطی واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"قرآن مجید قانون اور فقہ کی کتابوں کے طرز پر مرتب نہیں ہے بلکہ اس کی ترتیب ایک دوسرے اصول پر مبنی ہے۔ اس کے اندر عقائد و ایمانیات، اخلاق، موعظت، قصص اور امثال سب ملے جلے ہوتے ہیں۔ ان مختلف اقسام کی چیزوں کے اندر سے ان چیزوں کو چھانٹنا جو قانونی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور ان کا صحیح صحیح درجہ متعین کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن کے سارے پہلوؤں سے واقف ہو اور دین میں ان میں سے ہر چیز کا جو مقام ہے اس کو جانتا ہو۔ قرآن کا لفظ لفظ دریائے معانی ہے اور قانون میں ایک ایک لفظ اور ایک ایک شوشہ کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ معلوم ہے۔ جو شخص قرآن کے ان رنگارنگ جلوؤں میں امتیاز نہ کر سکتا ہو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے ایک ایک لفظ کا پورا حق ادا نہ کر سکتا ہو، اس کے لئے اس سے قانون اخذ کرنا اور اس کے حدود کو صحیح صحیح متعین کرنا ناممکن ہے۔" (ص ۴۲)

اسلامی قانون کے دوسرے اہم ماخذ کے لیے حدیث کے بجائے سنت کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ: "نبی ﷺ نے امت کو کتاب اللہ کے بعد اپنی جس چیز کو اختیار کرنے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا حکم دیا ہے اس کو سنت ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سنت اور حدیث میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ سنت نبی ﷺ کے ثابت شدہ طریقہ کو کہتے ہیں اور حدیث ہر وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبیؐ کی نسبت کے ساتھ کی جائے۔ عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت شدہ ہونا محل نزاع ہو۔" (ص۔ ۴۵)

مولانا کے نزدیک سنت معلوم کرنے کا سب سے زیادہ معتبر اور قابل یقین و اعتماد ذریعہ امت کا تواتر عملی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض حلقوں کی جانب سے اٹھائے جانے والے شکوک و شبہات کا مولانا نے مسکت جواب دیا ہے۔ مگر ایک جگہ خود سنت اور حدیث کا فرق نظر انداز کر کے اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ احادیث کو قرار دیا ہے۔ (ص ۸۶)

. قانون اسلامی کے تیسرے ماخذ اجتہاد کی معنویت سے بحث کرتے ہوئے مولانا نے بالکل آغاز ہی میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ "قانون کا اصل ماخذ تو دراصل اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہی ہوتی ہے۔ لیکن اجتہاد کی صورت میں چونکہ براہ راست کتاب و سنت کے نصوص سے حکم معلوم کرنے کے بجائے کوشش کر کے کتاب و سنت کے اشارات سے ایک حکم معین کرنا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو کتاب و سنت کے بجائے اجتہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔" (ص۔ ۵۵) اجتہاد کا تقاضا ہے کہ حکم معلوم کرنے کی کوشش سہل انگارانہ یا نیم دلانہ نہ ہو بلکہ پورے دل و جان سے ہونی چاہیے اور تحقیق و تلاش کے جتنے ذرائع بھی اس کار عظیم کے لئے مطلوب ہیں وہ سب استعمال ہونے چاہئیں۔ اجتہاد کے معنی کسی طرح بھی کتاب و سنت سے بے نیاز ہو کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادانہ رائے قائم کرنے کے نہیں ہیں۔

مولانا کے نزدیک یہ صحیح ہے کہ اجتہاد پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی طے ہے کہ اس کی ہر بوالہوس کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس کے لئے اعلیٰ صلاحیتیں درکار ہیں۔ فقہا نے اس سلسلہ میں متعدد شرائط بیان کی ہیں لیکن مولانا نے ان تمام شرطوں کو تین جامع شرطوں میں سمو دیا ہے۔ :

"ایک یہ کہ اجتہاد کا اہل وہ شخص ہے جس کو کتاب و سنت پر پورا عبور حاصل ہو۔ دوسری یہ کہ وہ پیش آمدہ حالات و مسائل کی تہ تک پہنچنے والا ہو اور ان کے مالہ وماعلیہ کو اچھی طرح سمجھنے والا ہو۔ تیسری یہ کہ وہ اپنے اخلاق و سیرت کے لحاظ سے ایک قابل اعتماد آدمی ہو۔ تاکہ لوگ اپنے دین کے معاملہ میں اس پر اعتماد کر سکیں۔" (ص ۵۸)

ائمہ اربعہ پر امت کی اکثریت کے اعتماد کی اصل وجہ یہی رہی ہے کہ وہ ہستیاں ان شرائط پر بدرجۂ کمال پوری اترتی تھیں۔

ہر دور میں اجتہاد کی ضرورت رہی ہے۔ خاص طور پر اس دور میں اس کی ضرورت مسلم ہے۔ یہ اس قدر عیاں ہے کہ اس پر الگ سے دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کے نزدیک "ایک مسلمان کے لئے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ نئے پیش آنے والے حالات و واقعات کے بارے میں اسلام کا حکم معلوم کرنے کی کوشش کرے بلکہ ذی علم و شعور مسلمان پر تو شریعت کی طرف سے یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ جن پچھلے اجتہادات پر عمل پیرا ہے ان کا بھی برابر جائزہ لیتا رہے کہ کس حد تک اسلام کے اصل ماخذ قانون، کتاب و سنت سے موافقت رکھتے ہیں یہ جائزہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد ہی ہے۔ دین کو زندہ و متحرک رکھنے کے لیے یہ جائزہ بہت ضروری ہے۔ جو لوگ جائزہ سے بے پروا ہو جاتے ہیں وہ آہستہ آہستہ تقلید و جمود کے شکار ہو جاتے ہیں اور ایمان کے اصل سرچشموں یعنی قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔" (ص۔ ۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کی مذکورہ بالا رائے اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین جدید میں اکثر مشکلات اسی وجہ سے پیش آتی ہیں کہ ہم اپنے مسلک کے قدماء کی رایوں کو تقدس وعصمت کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ان پر کسی نظر ثانی کی ہمت تو کجا عموماً اس کا خیال بھی ذہن میں لانے سے کتراتے ہیں۔

اجتہاد کی ضرورت واہمیت اور طریقہ کار سے بحث کرنے کے علاوہ مولانا نے اجتہاد کی سست رفتاری کے اسباب کا جائزہ لیا ہے۔ مگر یہ جائزہ اٹھارہویں صدی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کی رفتار صدیوں پہلے سست پڑ چکی تھی۔ غالباً یہی احساس تھا کہ آگے تقلید کے رجحانات اور اس کے نقصانات نیز اس کو ختم کرنے کی تدابیر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے مختلف فقہی گروہوں میں بے جا حمیت و تعصب پیدا ہو جانے سے بھی اس ذہنی وسعت اور آزادی کو بڑا نقصان پہنچا جو اجتہادی فکر کے نشوونما کے لیے ضروری تھی۔ اس تعصب کے سبب ہر گروہ نے حق کو اپنے مسلک فقہی کے اندر محصور سمجھ لیا اور اپنے ائمہ کی اجتہادی رایوں پر ان کے دلائل کی روشنی میں غور کرنا اور ان کے صحیح و سقیم میں امتیاز کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس طرح کی تحقیق و تنقید کی سب سے زیادہ تاکید ان ائمہ ہی نے کی تھی۔" (ص: ۶۵)

تقلیدی ذہنیت ختم کرنے اور اجتہادی نظر پیدا کرنے کے لیے مولانا کا مشورہ ہے کہ اپنے موجودہ تعلیمی نظام میں بنیادی تبدیلی لائی جائے اور قدیم و جدید درسگاہوں کی تقسیم ختم کر کے ایک ایسا جامع نظام تعلیم جاری کیا جائے جس میں عصری علوم کے ساتھ عربی زبان اور قرآن وحدیث کو اساسی جگہ دی جائے۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی فوقیت دیجائے اور تعلیمی اداروں میں اسلامی قانون کے ساتھ ساتھ اسلامی ماحول پیدا کیا جائے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اسلامی قانون کا مطالعہ ہر قسم کے گروہی تعصّبات سے آزاد ہو کر کیا جائے۔ سارے فقہی مسالک کو اپنا مشترک سرمایہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھا جائے۔ کیونکہ سب کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔

مولانا کے نزدیک انفرادی اجتہاد خواہ کسی کا ہو اس کی حیثیت محض ایک رائے کی ہے مگر چونکہ "یہ رائے کتاب و سنت کے اشارات و نظائر و قیاسات پر مبنی ہے" اس وجہ سے اس کا درجہ اس رائے سے مختلف ہوتا ہے جو کسی معاملہ میں ایسا عام آدمی مجرد عقل و فہم کی مدد سے قائم کرتا ہے۔ ذاتی معاملات میں جو شخص جس اجتہاد کے دلائل سے مطمئن ہے اس کو ماننے کے لئے وہ پابند ہے مگر اجتماعی و سیاسی معاملات میں صحیح روش یہ ہے کہ نظام جس اجتہاد پر چلے آدمی عملاً اسی کی اطاعت کرے۔ اگرچہ اس کا اپنا اجتہاد اس سے مختلف ہو۔ (ص :۱۷) اگر اتنی رواداری اور لچک نہ ہو تو اجتماعیت پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گی۔

جس رائے پر مجتہدین امت کا اجماع ہو اس کے بارے میں مولانا کا موقف یہ ہے کہ "اس کی حیثیت صرف ایک رائے کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجت شرعی بن جاتا ہے۔ جس کی مخالفت کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ (ص :۱۷)

اجماع کو ایک مستقل ماخذ قانون سے نکال کر اجتہاد کی ایک قسم قرار دینے کے بعد مولانا کی مذکورہ بالا رائے قدیم روایتی موقف کی طرف رجعت قہقری معلوم ہوتی ہے۔ راقم کے مطالعہ کی حد تک، اجماع کو اسلامی قانون و شریعت کا ماخذ قرار دینے کے سلسلہ میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں وہ اس مقصد کے لیے براہ راست نہیں آئے ہیں۔ اجماع کو ماخذ شریعت قرار دینا خود اجتہادی مسئلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بڑے اختلافات ہیں۔ خود اجماع کے انعقاد پر بھی زمان و مکان کے اثرات پڑتے ہیں۔ اس لیے کسی اجتماعی رائے کو "شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجت شرعی" قرار دینا بہت بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ اجماع بحیثیت شرعی ماخذ پر بحث و تمحیص اور نقد و نظر کی کافی گنجائش ہے۔

مولانا کے نزدیک "ہماری زندگی کے قیام و بقا کے لیے جتنی ضرورت ہوا اور پانی کی ہے ہماری روحانی و ایمانی حیات کے لیے اس سے کہیں زیادہ ضرورت اجتہاد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔" (ص : ۶۰) اسلامی قانون کی تدوین جدید کے لیے غالباً اجتہاد کی اس غیر معمولی اہمیت وضرورت کی وجہ سے مولانا نے کتاب کے خاتمہ پر ایک مکمل باب پھر اس موضوع کے لیے وقف کیا ہے۔ جس میں مذکورہ بالا نکات کو مزید مستحکم و مدلل کرنے کے علاوہ مسائل جدیدہ کو حل کرنے کے لیے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ فی زمانہ سائنس کی غیری معمولی ترقیوں نے بہت سے ایسے نئے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ جو قدماء کے زمانوں میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ "اس طرح کے مسائل پر انفرادی طور پر جو رائیں ظاہر کی جارہی ہیں خواہ علماء دین کی طرف سے یا غیر علماء دین کی طرف سے ان سے ایک ذہنی انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح کے مسائل پر صحیح رائے قائم کرنے کے لیے مذہب کے گہرے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے اور ان سوالات کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے جو فی الواقع سائنس کی ترقیوں نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے علماء اور غیر علماء دونوں ہی گروہوں کے لیے ہمارا ناچیز مشورہ ہے کہ اس طرح کے مسائل پر اپنے اپنے طور پر اظہار رائے کے بجائے اجتماعی طور پر غور کرنے اور رائے قائم کرنے کی کوئی شکل اختیار کریں تاکہ وہ اپنے معاشرہ کو صحیح رہنمائی دے سکیں۔" (ص : ۱۱۱۔ ۱۱۲) خوشی کی بات ہے کہ اب اس طرف امت توجہ کر رہی ہے اور متعدد مسلم ممالک میں اجتماعی اجتہاد کے ادارے قائم ہو رہے ہیں۔

اسلامی قانون کے چوتھے ماخذ معروف کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں "معروف کے معنی جانی پہچانی ہوئی بات کے ہیں یعنی وہ بات جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ جو عقل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو اور جو اچھے لوگوں میں رائج و معقول ہو اس لفظ کے استعمال سے کسی سوسائٹی کے وہ دستور ورواج آپ سے آپ خارج از بحث ہو گئے جن کو قبول کرنے سے عقل سلیم انکار کرتی ہو۔ جو عدل و انصاف کے عام تقاضوں کے خلاف ہوں یا جو صرف انہی طبقات میں پائے جاتے ہوں جو ذہنی اعتبار سے گرے ہوئے ہوں۔" (ص : ۷۹) مولانا کے نزدیک انسانی قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اصل ماخذ دستور و رواج ہے جبکہ اسلامی قانون کی اصل بنا تو کتاب و سنت اور ان سے اخذ و استنباط پر ہے لیکن ایک محدود دائرے کے اندر اس نے بھی سوسائٹی کے رواج کی عزت افزائی کی ہے لیکن اس کے لیے معروف کا لفظ استعمال کر کے اس کو مقید کر دیا ہے۔

اسلامی قانون کا پانچواں ماخذ مصلحت اور مباحات کے دائرے میں کام کرتا ہے اس دائرہ میں اجتماعی مصلحت کے پیش نظر قانون سازی کی جا سکتی ہے اور اس کے لیے جو بھی قانون بنے گا وہ اسلامی قانون متصور ہوگا۔ مولانا کے مطابق "اس دائرہ میں قانون سازی کی آزادی پر اگر کوئی پابندی ہے تو صرف یہ پابندی ہے کہ کوئی قانون کتاب و سنت کے کسی اصول کے خلاف نہ بن جائے۔" (ص : ۸۱) مصلحت کی تعبیر مختلف مکاتب فقہ میں استحسان، استصلاح اور مصالح و مرسلہ جیسے ناموں کی گئی ہے اور ان کی تعریفوں میں فرق کیا گیا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ تمام ہی اصطلاحات تقریباً یکساں ہیں۔ مولانا نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ "جو قوانین کتاب و سنت کے واضح نصوص پر مبنی ہیں ان پر زمانہ اور حالات کے تغیر کا کوئی اثر نہیں پڑتا وہ ہمیشہ اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ قائم و باقی رہتے ہیں۔ البتہ اگر ان کے نفاذ کے لیے خود شریعت میں کچھ شرطیں بیان ہوئی ہیں اور ان میں سے کوئی شرط کسی زمانہ میں موجود نہیں رہی ہے تو اس کے سبب سے کسی قانون کے عملاً نفاذ کو عارضی طور پر ملتوی کیا جا سکتا ہے۔" (ص : ۸۳) ظاہر ہے نفاذ کے التواء کو تبدیلی کا نام نہیں دیں گے مثلاً قحط کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے چوری کرنے پر قطع ید کی سزا رکوا دی۔

معروف و مصلحت پر مبنی احکام رواج اور مصلحت کے تابع ہونگے۔ اگر سوسائٹی کے رواج یا مصلحت میں تبدیلی آگئی تو وہ احکام بھی بدل جائیں گے۔ اسی طرح اجتہادی مسائل میں بھی ان کے دلائل کی بنیاد پر تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ (ص : ۸۴) لیکن مولانا نے اجتماعی قسم کے اجتہاد کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، مولانا اس کو شریعت کے نصوص کی طرح حجت شرعی مانتے ہیں۔ حالانکہ اجماع کے پیچھے اصل محرک معروف یا مصلحت کی رعایت بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے مطلق یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہنا کہ اجماع کی نوعیت کے اجتہاد میں تبدیلی نہیں ہو سکتی نظر ثانی کا محتاج ہے۔ مولانا کے مطابق اسلامی قانون میں رکاوٹ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ "ہمارے مقلد فقہاء نے اجتہاد کو ان دلائل کی روشنی میں جانچنے پرکھنے کا کام بالکل بند کر دیا ہے اور جو فتوے دستور اور مصلحت پر مبنی تھے ان کو بھی انھوں نے کتاب و سنت کے نصوص کی طرح اٹل اور ناقابل تغیر بنا کے رکھ دیا۔" (ص: ۸۴)

اس طرح باب ہشتم تک پانچ ابواب میں ان شرعی مآخذ پر ضروری بحث ہے جن پر ہمارے اسلاف نے اسلامی قانون کی تدوین کی بنیاد رکھی اور جن کی طرف آج بھی تدوین جدید کے لیے رجوع کرنا ہوگا بعد کے چار ابواب میں اسلامی قانون کی تدوین کی ضرورت، اس کی اہمیت اور اس کے تقاضوں پر گفتگو ہے اور آخر میں عہد حاضر میں اجتہاد کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

باب نہم میں مولانا نے اسلامی قانون کی تدوین کی پچھلی تین اہم کوششوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اول عباسی عہد میں سب کو مالکی فقہ پر جمع کرنے کے سلسلہ میں خلیفہ ابو جعفر منصور کی تجویز، دوسرے اورنگ زیب عالمگیر کا فتاویٰ عالمگیری کا مرتب کروانا اور تیسرے ترکی میں خلافت عثمانیہ کی طرف سے مجلّہ عدلیہ کی تدوین ہے جو ۱۸۷۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مولانا نے ان میں سے صرف اول و آخر کی ناکامی کے اسباب سے بحث کی ہے۔ پہلی کوشش اس لیے ناکام ہوئی کہ جو کام صاحب اجتہاد اور معتمد علماء کی کمیٹی کرتی وہ صرف ایک شخص کے کندھوں پر ڈالی جا رہی تھی۔ راقم کے نزدیک دوسری کوشش کی ناکامی کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ عالمگیر کے بعد خود مغلیہ حکومت پر زوال طاری ہو گیا۔ یہ کتاب اب بھی علما احناف کے یہاں فتوؤں کا اقرب و اہم ماخذ ہے مگر اس کی تدوین کا کمزور ترین پہلو یہ ہے کہ اس میں اسلامی قوانین کی تدوین کی بنیاد براہ راست اسلامی مآخذ پر نہ رکھ کر متقدمین علماء احناف کے مستنبط احکام و فتاوے پر رکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے ایسی کوئی کوشش نہ تو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکتی تھی اور نہ ہی دوسرے مسالک کے لیے در خور اعتنا ہو سکتی تھی۔ خود مولانا اصلاحی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمانا ہے کہ دور حاضر میں تدوین قانون اسلامی کی جو کوشش کسی ایک فقہ کے اندر محصور ہو کر کی جائے گی کبھی کامیاب اور قابل قبول نہیں ہو گی۔

جہاں تک مجلّہ عثمانیہ کا تعلق ہے، اس کے بارے میں مولانا کا خیال ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق ہونے کے باوجود اس میں دور جدید کے تقاضوں کا خیال رکھا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عرصہ تک مختلف ملکوں میں نافذ رہا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ بھی ہر جگہ سے ختم ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے خاتمہ کے پیچھے جو محرکات کار فرما تھے ان میں حکام اور عوام کے اندر نیشنلزم کا فروغ، سیکولرزم کی مقبولیت اور علما کے اندر تقلید و جمود کا غلبہ، نیز معاشرہ کا بگاڑ سب سے اہم رہے ہیں۔ (ص: ۹۲۔۹۴) مولانا کے نزدیک "اسلامی قانون کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ عوام کے اندر اس کی اتنی شدید طلب اور اس کے ساتھ ان کو اتنا مضبوط لگاؤ پیدا ہو جائے کہ اس قانون کے بغیر ان کے اندر زندگی کا کوئی تصور باقی نہ رہ جائے۔ وہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ہر قربانی دے سکیں اور اس کو باقی رکھنے کے لیے ہر بازی کھیل سکیں۔" (ص: ۹۵)

دور حاضر میں قانون اسلامی کی تدوین کے کام کو اس طرح انجام دینا کہ وہ نافذ ہو کر کامیاب بھی رہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور ان غلطیوں سے بچیں جن کے مضر نتائج کا تجربہ ہو چکا ہے۔ باب دہم میں مولانا نے مندرجہ ذیل چار ایسے قطعی اور قابل عمل اصول بتائے ہیں جن کو اپنا ضروری ہے۔

اہل سنت والجماعت کے تمام فرقوں میں سلف کی طرح رواداری ہو اور تمام مجتہدین کے کارناموں کو مشترکہ اسلامی میراث قرار دیکر سب سے فائدہ اٹھائیں۔ کتاب وسنت کی تعبیر میں سلفِ صالحین کی پیروی کی جائے۔ نو پیدا مسائل جن کے بارے میں متقدمین کے یہاں کوئی رہنمائی نہیں مل سکتی مختلف ممالک کے علماء و فقہا کے فتوے جمع کر کے دلائل کی روشنی میں ان فتوؤں کو اختیار کرنا جو کتاب وسنت سے زیادہ قریب و موافق ہوں۔ جو مسائل قدیم رواج اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی کرنا۔ مولانا کے مطابق اسلامی قانون کا یہی دائرہ تغیر پذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے "......اور اسلامی قانون کے دوسرے دائروں میں تبدیلیاں پیدا کرنا جس طرح بہت بڑا گناہ ہے اس طرح اس دائرہ میں جمود پیدا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔" (ص : ۱۰۰)

مولانا کے نزدیک اسلامی قانون کا نفاذ دفعتہً نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے لوگوں کو تیار کرنے کی ضرورت ہوگی۔ گیارہویں باب میں مولانا نے اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے ضروری تیاریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عصری نظام تعلیم کی اصلاح اور پرانے نظام تعلیم میں سازگار تبدیلیوں پر زور دیا ہے کیونکہ عصری نظام تعلیم ایسے ذہن پیدا کر رہا ہے جو اسلامی نظام قانون کو اپنانے کیلئے بالکل تیار نہیں ہے۔ دوسری طرف قدیم نظام تعلیم بھی اسلامی قانون کے نفاذ کے مقصد کو کچھ زیادہ تقویت دینے والا نہیں ہے۔ "ایک عرصہ دراز سے اس کے اندر ایسی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کی موجودگی میں وہ مفید کم اور مضر زیادہ ہے۔" (ص : ۱۰۲) ان میں مخصوص مکتب فقہ کی تقلید اور دوسرے مکتب فقہ کی تغلیط ان کا منتہائے کمال ہے۔ مولانا نے بڑے واضح الفاظ میں فرمادیا ہے کہ "اگر ہمیں اس ملک میں اسلامی قانون کے نفاذ کا مقصد عزیز ہے تو ہمارے علماء حنفی اور اہل حدیث کی اصطلاحوں میں بات کرنے کے بجائے قرآن وحدیث کی اصطلاحوں میں بات کریں اور اپنے مدارس میں متعین فقہوں کی تعلیم دینے کے بجائے پوری اسلامی فقہ کی تعلیم دیں تاکہ طلبہ کے ذہنوں میں وسعت اور رواداری پیدا ہو۔" (ص : ۱۰۳) اسی کے ساتھ معاشرہ سے مغربی اثرات کی بیخ کنی کرنی ہوگی اور ساتھ ہی اسلامی قانون کے خلاف شبہات کا ازالہ کرنا ہوگا۔ اس کے لیے اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں پر موجودہ زمانہ کے علمی انداز میں کتابیں لکھی جائیں اور یہ کتابیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اچھی طرح پھیلائی جائیں تاکہ اسلامی قانون کے خلاف لوگوں کی بدگمانیاں دور ہوں اور ان کے ذہن اس کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ پیش نظر تالیف "اسلامی قانون کی تدوین" مولانا کی اسی طرح کی ایک اہم کوشش ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اصلاحی کی درج ذیل تصانیف بھی بڑی حد تک ان ہی مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔

"اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام"، "قرآن میں پردے کے احکام"،

© rasailojaraid.com